زکوۃ کے مصارف اور عصری مسائل

مفتی محمد رفیق الحسنی

گزشتہ سے پیوستہ

حاجت اصلیہ میں حضرت حسنؒ کی روایت:

حضرت حسن بصری سے روایت ہے آپ نے فرمایا صحابہ کرامؓ ان لوگوں کو زکوۃ دے دیا کرتے تھے جو دس ہزار درہموں کے اسلحہ اور گھوڑوں اور خادموں کے مالک ہوتے تھے کیونکہ یہ اشیاء حاجات اصلیہ میں داخل تھیں، جن کا انسان کے پاس ہونا لازم ہوتا ہے۔(ص:۳/۲۹۶)

متعدد دوکانوں اور مکانوں اور باغات کا مالک بھی فقیر ہوسکتا ہے:

فتاوی کی کتابوں میں مذکور ہے وہ شخص جس کی ملکیت میں متعدد دوکانیں اور مکانات کرایہ پر چڑھانے کے لئے موجود ہیں لیکن ان سے حاصل کرایہ اور آمدنی اس پر اور اس کے عیال پر کافی نہیں ہوتی، وہ فقیر ہے۔امام محمد کے نزدیک ایسے آدمی کو زکوۃ لینا جائز ہے مگر امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اسے زکوۃ لینا جائز نہیں ہے اور اس امر میں اتفاق ہے کہ اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے قول پر فتوی ہونا چاہیے کیونکہ دوکانوں اور مکانوں کی مالیت سے مالک غنی ہوجاتا ہے اگرچہ کرایہ سے آمدنی اخراجات کے لیے کافی نہیں ہوتی کیونکہ کرایہ پر دی گئی دوکانیں اور مکانات حاجات اصلیہ میں داخل نہیں ہیں۔

اگر کسی آدمی کی ملکیت میں باغ ہے مگر اس کی آمدنی اس پر کافی نہیں ہے یعنی بچت نہیں ہوتی اور ایک آدمی کے پاس اناج موجود ہے جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی سے زائد ہے مگر وہ ایک سال کے اخراجات سے زائد نہیں ہے وہ فقیر ہے کیونکہ باغ کی آمدنی اور سال بھر کے لیے اناج حاجات اصلیہ میں داخل ہیں۔چنانچہ خود سرور دو عالم ﷺ ایک سال کا اناج اپنے اہل وعیال کے لئے ذخیرہ فرماتے تھے اگر کسی کے پاس بڑا مکان ہے جس کے سارے کمروں میں رہائش نہیں ہوتی وہ بھی حاجت اصلیہ میں داخل ہے۔ردالمحتار میں ہے:

"وفیھاعن الصغری لہ داریسکنھالکن تزیدعلی حاجتہ بان لایسکن الکل یحل لہ اخذالصدقۃفی الصحیح "(ص:۳/۲۹۶)

اسی میں فتاوی صغری سے منقول ہے کہ کسی آدمی کا ایسا (بڑا) گھر جس میں وہ رہائش رکھتا ہو' مگر وہ یوں اس کی ضرورت سے زائد ہو کہ وہ سارے مکان میں نہ رہتا ہو، اسے صحیح روایت میں صدقہ لینا جائز ہے۔

فتاوی کی فقہی کتب میں مذکور ہے **امام محمد سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا گیا** جس کی ملکیت میں زمین ہے وہ اس زمین میں فصل کاشت کرتا ہے یا دوکان ہے اس سے آمدنی حاصل کرتا ہے یا گھر ہے جس کی آمدنی تین ہزار درہم یا دینار ہے مگر وہ آمدنی اس کے لئے اور اس کے عیال کے سال بھر نفقہ کے لئے کافی نہیں ہوتی۔یعنی بچت نہیں ہوتی۔تو امام محمد نے فرمایا:

"یحل لہ اخذاالزکاۃ وان کانت قیمتھاالوفاوعلیہ الفتوی وعندھمالایحل .اہ ملخصا"

ترجمہ:**اس آدمی کے لئے زکوۃ لینا جائز ہے** اگرچہ ان کی قیمت کئی ہزار درہم ہو اور اسی پر فتوی ہے اور شیخین کے نزدیک حلال نہیں۔ملخص۔(ردالمحتار ص:۳/۲۹۶)

الحاصل تنخواہ یا مملوکہ اثاثوں سے آمدنی لاکھوں اور کروڑوں روپے ہو مگر سال بھر ذاتی اہل وعیال کے اخراجات میں صرف ہو جائے۔تینوں اماموں کے نزدیک ایسے آدمی پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی مگر اس کے زکوۃ لینے میں اختلاف ہے۔اور اگر مکانات یا دوکانیں جن سے آمدنی ہوتی ہے حاجات اصلیہ سے زائد ہیں اگر ان کی مالیت اور قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس سے زائد ہو تو وہ غنی ہوتا ہے اس میں شیخین کے قول پر فتوی ہے اسے زکوۃ لینا جائز نہیں ہے۔(واللہ تعالی اعلم)

جہیز پر زکوۃ کا حکم:

بیوی کو جو کچھ مالکانہ حقوق کے ساتھ جہیز میں ملتا ہے' اگر اسے گھر کے لئے اثاثے اور استعمال کے لئے کپڑے اور برتن ملے ہیں' وہ عورت صرف جہیز کی وجہ سے غنیۃ نہیں ہوگی اور اگر اس کو سونے اور چاندی کے زیور یا حاجت اصلیہ سے زائد زینت کے لیے جواہر یا سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں کے زیورات حاصل ہوئے ہیں جن کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا زائد ہے تو وہ غنیۃ

☆اکثر مایخاف لایکون وغالب مایسمع من مکروہ لایقع وفی اللہ کفایۃ وعندہ رعایۃ ومنہ العون .☆

ہوجائے گی کیونکہ زیورات حاجات اصلیہ میں داخل نہیں ہیں یہی حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور ردالمحتار کے نزدیک سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری اشیاء سے تیار کردہ زیورات حاجت اصلیہ میں داخل ہیں دوسری دھاتوں سے بنائے گئے زیورات کی وجہ سے وہ عورت غنیّۃ نہیں ہوگی۔چنانچہ ردالمختار میں ہے:

"حاصلہ ثبوت الخلاف من ان المحلی غیر النقدین من الحوائج الاصلیۃ"(ص:۳/۲۹۶)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے زیورات کے علاوہ زیورات حاجت اصلیہ میں داخل ہیں یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ زینت کے لئے استعمال ہونے والے زیورات کسی بھی دھات کے ہوں وہ حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہیں جیسے امام حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔واللہ تعالی اعلم (محمد رفیق حسنی)

۳۔بنی ہاشم کا حکم:

بنی ہاشم یعنی حضور ﷺ کے جد امجد حضرت ہاشم رحمہ اللہ کی اولاد زکوۃ نہیں لے سکتی انہیں زکوۃ لینا حرام ہے۔فقیر،یتیم،مذکر اور مؤنث سب بنی ہاشم کے لئے زکوۃ لینا جائز نہیں ہے مگر وہ بنی ہاشم جن کی قرابت اور رشتہ داری خود جناب سرور دو عالم ﷺ نے باطل کر رکھی ہو جیسے ابولہب اور اس کی اولاد وہ زکوۃ لے سکتے ہیں۔اگر ابولہب کی اولاد میں سے کوئی شخص مسلمان ہو اس کو زکوۃ لینا جائز ہے کیونکہ ابولہب ایسا کافر تھا جس کی قرابت حضور علیہ السلام نے باطل فرمادی تھی حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

"لاقرابۃبینی و بین ابی لھب فانہ اثر علیناالافجرین".

ترجمہ:میرے اور ابی لہب کے درمیان قرابت نہیں ہے کیونکہ اس نے ہمارے اوپر افجر(زیادہ فاجر)اور کافروں کو ترجیح دی۔(ردالمحتار۔ص:۳/۲۹۹)

جناب سرور دو عالم ﷺ کے چوتھے دادا حضرت عبدمناف کے چار بیٹے تھے ہاشم اور مطلب اور نوفل اور عبدشمس پھر حضرت ہاشم کے چار بیٹے تھے باقی بیٹوں کی نسل ختم ہوگئی مگر حضرت عبدالمطلب زندہ رہے اور آپ کے بارہ بیٹے تھے،ان کی اولادوں کو زکوۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ مسلمان

اورفقیرہوں مگر آپ ﷺ کے چچاحضرت حمزہ اورحضرت عباس اورحارث کی اولاداورحضرت ابوطالب کی اولادمیں سے حضرت علیؓاورحضرت جعفرطیاراورحضرت عقیل کی اولادوں کوزکوۃ دیناجائزنہیں۔(ردالمحتار۔ص:۳/۲۹۹)

یہ حکم سب زمانوں اورحالتوں میں ہے کہ بنی ہاشم کوزکوۃ دیناجائزنہیں ہے حتی کہ بنی ہاشم ایک دوسرے کوبھی زکوۃ نہیں دے سکتے۔(ردالمحتار)

بنی ہاشم کے لئے زکوۃ کے عوض خمس الخمس مقررتھامگرصدیوں سے خمس الخمس باقی نہیں رہااگر جہاد کے علاوہ معدنی اورصحرائی خزانوں کاخمس نکالنے کاانتظام بھی ہوتافقراء میں سے سادات کرام فقراء کی مدد ہوسکتی تھی مگرافسوس کسی اسلامی ملک میں ایساانتظام نہیں ہےاور جہاد مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے صدیوں سے موقوف ہےاورغنائم کا سلسلہ بندہو چکا ہے۔

سادات کوزکوۃ دینے کے جواز کی روایت:

ابوعصمہ کی امام اعظم سے ایک روایت ہے انہوں نے فرمایا ہمارے زمانہ میں فقراء بنی ہاشم کوزکوۃ دیناجائزہے اورامام ابویوسف سے مروی ہے کہ بنی ہاشم ایک دوسرے کوزکوۃ دے سکتے ہیں مگر ہمارے علماء نے فتوی مطلقا عدم جواز پر دیاہےاوراسی پرفتوی ہے۔(ردالمحتار)

بنی ہاشم کے مملوکہ یاآزادکردہ موالی اورغلاموں کوبھی زکوۃ دیناجائزنہیں ہے کیونکہ جناب سروردوعالم ﷺ نے فرمایا"مولی القوم منھم"(رواہ ابوداؤد)قوم کاغلام قوم سے ہوتاہےیعنی بنی ہاشم کے غلام کاحکم بنی ہاشم والاہوگا۔

فائدہ:کیادوسرے انبیاء علیہم السلام اوران کے لئے زکوۃحلال تھی یانہ اس میں اختلاف ہے۔نہرالفائق میں اس قول پراعتمادکیاگیاہے کہ انبیاءعظام علیہم السلام کے لئے زکوۃ حلال نہیں تھی لیکن ان کی اولادوں اوران کےرشتہ داروں کے لئے حلال تھی۔(ردالمحتار)

سادات کرام پرنفلی صدقہ اوروقفی صدقہ جائز ہے:

بنی ہاشم کے لئےنفلی صدقات توحلال ہیں مگراوقاف سے حاصل آمدنی بھی حلال ہے یانہیں' اس میں تفصیل ہے۔محققین علماء کے نزدیک اوقاف کی آمدنی سادات کے لیے حلال ہے چاہے وقف کنندہ بنی ہاشم کانام لے یانہ لے۔صاحب فتح القدیر کی بھی تحقیق یہی ہے مگرعلامہ شامی نے درج ذیل

تفصیل کو ترجیح دی ہے کہ اگر واقف نے بنی ہاشم کا نام لیا تو جائز ہے مثلاً واقف نے کہا میرا مال اہل بیت النبی ﷺ کے لئے وقف ہے اور اہل بیت النبی ﷺ محدود گنتی کے افراد ہیں تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ وصیت اور احسان اور صلہ رحمی ہے صدقہ واجب نہیں ہے۔لہذا وقف شدہ مال سیدہ فاطمہؓ کی اولاد پر صرف کیا جائے گا اور اگر واقف نے فقراء کا لفظ استعمال کیا تو اس وقف سے بنی ہاشم کو نہیں دیا جائے گا کیونکہ اب وقف صدقہ واجبہ کے حکم میں ہوگا لہذا بنی ہاشم کے فقراء کو نہیں دیا جائے گا۔(ردالمحتار)لہذا مطلق فقراء اور غیر فقراء پر وقف شدہ اموال سے سادات فقراء کو دینا جائز ہے کیونکہ آج کل وقف صدقہ واجبہ کے حکم میں نہیں ہوتا۔لہذا محققین کے قول پر فتوی ہوگا۔ہمارے زمانہ کے عرف میں فقراء کا لفظ سادات کے فقراء کو بھی شامل ہوتا ہے۔گویا واقف نے سادات پر بھی وقف کیا ہے۔(رفیق حسنی)

سید ہالانبیاء والمرسلین ﷺ کی ازواج مطہرات بھی آل میں داخل ہیں مفتی بہ قول کے مطابق زکوۃ اور عشر آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کو دینا بھی جائز نہیں کیونکہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "انا آل محمد لاتحل لنا الصدقة"(ص:۳/۳۰۰)یعنی ہم آل محمد ہیں ہمارے لئے صدقہ جائز نہیں ہے۔

پانچواں غیر مستحق آدمی کافر ہوتا ہے:

کافروں کے دو قسم ہوتے ہیں ذمی اور حربی۔ذمی کافر اس کافر کو کہا جاتا ہے **جو اسلامی ملک یعنی دارالاسلام** میں مقیم ہو اور حکومت کی طرف سے اسے ملک کا رہائشی تسلیم کیا گیا ہو اور حربی کافر وہ شخص ہے جو دارالحرب میں مقیم ہو پھر حربی کافر اسلامی حکومت کی اجازت سے اسلامی ملک میں عارضی طور پر آیا ہو اتو اس کو مستامن کہتے ہیں اور جو اپنے ملک میں ہو اس کو غیر مستامن کہتے ہیں۔

حربی یا ذمی کافر کو زکوۃ اور عشر دینا جائز نہیں ہے جیسا کہ حضرت معاذؓ کی حدیث سے ثابت ہے اور دیگر صدقات واجبہ کفارہ اور نذر اور فطرہ میں امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ ان کا حکم زکوۃ کی طرح ہے اس لئے ذمی کافر کو دینا بھی جائز نہیں اور طرفین کا قول یہ ہے کہ صدقۃ الفطر وغیرہ دینا جائز ہے مگر فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔درمختار میں ہے۔"وبقوله يفتى "(حاوى القدسى)(ص:۳/۳۰۱)

کافروں پر نفلی صدقہ جائز ہے:

صدقات نافلہ غیرواجبہ ذمی کافرکودیناجائز ہے اوراس میں دینے والے کوثواب ملے گا بلکہ حربی کافرکوبھی نفلی صدقہ دینااوران سے ہدیہ لیناجائز ہے علامہ شامی نےنقل فرمایا کہ سیرکبیر میں امام محمد نے فرمایا:

"لاباس للمسلم ان يعطى كافراً حربياً اوذمياً وان يقبل الهدية منه لماروى ان النبى ﷺ بعث خمس مائة دينارالى مكة حين قحطوا وامربدفعهاالى ابى سفيان ابن حرب وصفوان ابن امية ليفرقاعلى فقراء اهل مكة (بخارى ۴۸/۱۲)ولان صلة الرحم محمودةفى كل دين والاهداء الى الغيرمن مكارم الاخلاق"(ص:۳۰۲/۳)

ترجمہ:مسلمان کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ کافرذمی یاحربی کومال عطاکرے اوراس سے ہدیہ قبول کرے کیونکہ مروی ہے **جناب سرورِدوعالم ﷺ نے پانچ سودینارمکہ مکرمہ بھیجے تھے جب اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوئے تھےاورآپ ﷺ نے ابوسفیان اورصفوان ابن امیۃ کے ہاتھ میں دینے کاحکم دیاتھاتاکہ مکہ کے فقراء پرتقسیم کردیں** اوریہ صلہ رحمی ہے اورصلہ رحمی ہردین میں محمود ہے اورغیروں (کافروں)کوہدیہ دینامکارم اخلاق سے ہے۔

اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کوسلطان مقوقس نے دوکنیزیں ام المؤمنین سیدۃ ماریہ اورشیرین اوردلدل گھوڑااوردیگرتحائف بھیجے تھے اورآپ نے قبول فرمالئے تھے۔لہٰذا کافرحربی ہویاذمی ان کوغیرواجب صدقات میں سے مال دینااوران سے لیناجائز ہے۔

کافرذمی کوجب صدقات واجبہ دیناجائزنہیں توحربی کودینابطریق اولی ناجائزہے۔(درمختاراورردالمختار۔ص:۳۰۳/۳)

متفرق مسائل:

کسی نےغوروفکرکے بعدایک آدمی کوفقیریازکوۃ کامستحق سمجھااسے زکوۃ دے دی بعدمیں معلوم ہواکہ وہ اپناہی عبدیامکاتب تھایاحربی کافرتھامستامن تھایاغیرمستامن توزکوۃ ادانہیں ہوئی،وہ شخص دوبارہ زکوۃ ادا کرے کیونکہ اپنے عبداورمکاتب کوزکوۃ دینے کی صورت میں زکوۃ کامال زکوۃ دہندہ کے مِلک سے خارج ہی نہیں ہوا۔اورحربی کافرکوزکوۃ دینے میں زکوۃ ادانہیں ہوگی کیونکہ حربی کافرمیں زکوۃ کے مال

☆حسب اعدائك لك وتتم حسادك يساوى قيمتك لانك اصبحت شيئا مذكورا وجلد مهما.☆

سے احسان مند ہونے کی شرعاً اہلیت ہی نہیں ہوتی۔(ردالمحتار۔ص:۳/۳۰۲)

اوراگرکسی آدمی کوغوروفکر کے بعدزکوۃ کا مستحق سمجھ کرزکوۃ دے دی گئی مگر بعد میں معلوم ہوازکوۃ لینے والاشخص غنی تھایاذمی کافرتھایاصاحب زکوۃ کاباپ یابیٹاتھایااس کی بیوی تھی یاہاشمی تھازکوۃاداہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں کیونکہ مذکورہ افرادمیں زکوۃ لینے کی اہلیت ہوتی ہے۔درمختارمیں ہے:

"لانه اتی بماوسعه حتی لودفع بلاتحرلم یجزان اخطا"۔

ترجمہ:اس لئے کہ زکوۃ دینے والے نے وہ کیاجواس کی طاقت میں تھایعنی تحری میں حتی کہ اگراس نے بغیرتحری کے زکوۃ دے دی تھی اوراس میں خطاتھی توزکوۃادانہیں ہوگی دوبارہ دیناہوگی۔

شامی میں ہے:

"قوله لانه اتی بماوسعه ای اتی بالتملیک الذی هوالرکن علی قدروسعه اذلیس مکلفااذادفع فی ظلمةمثلاان یسال عن القابض من انت"۔(ص:۳/۳۰۳)

یعنی زکوۃدینے والے نے جواس کی وسعت میں تھا'آدمی کومستحق سمجھ کرتملیک کردی جوکہ زکوۃ کی ادامیں رکن ہے۔وہ اس امرکامکلّف نہیں ہے کہ جب وہ تاریکی میں زکوۃاداکرے توقبضہ کرنے والے سے پوچھےتوکون ہےلیکن زکوۃدینے والے کی زکوۃتواداہوجائے گی مگرلینے والے کے لئے طیب اورحلال ہے یانہیں اس میں اختلاف ہے۔مناسب ہے کہ غیرمستحق لینے والاآدمی مالک کوزکوۃ واپس کردے یاپھرصدقہ کردے خودنہ کھائے۔(درمختارص:۳/۳۰۲)

اگرزکوۃ لینے والاشخص فقراء یادوسرے مستحقین کے ساتھ بیٹھاہویارہتاہوجس طرح دینی مدارس میں طلباء اکٹھے رہتے ہیں اوراس کارہناسہنااورلباس مستحقین والاہوتویہ بھی بمنزلہ تحری کے ہے لہذا فقراء میں بیٹھنے والے غیرمستحق کودی گئی زکوۃاداہوجائے گی۔(ردالمحتار)

مساجداورمدارس اورخانقاہوں میں غیرمستحق افرادکاحکم:

ہمارے زمانہ میں زکوۃ کے مستحق اورغیرمستحق کی پہچان بہت مشکل ہوگئی ہے۔

اولاً: زکوۃ دینے والے حضرات کواس مسئلہ کاعلم نہیں ہوتاکہ زکوۃ کامستحق کون ہوتاہےاکثرلوگ سمجھتے ہیں جوشخص زکوۃ دینے والے شخص سے کم دولت رکھتاہووہ زکوۃ کامستحق ہوتاہے'اپنی زکوۃاسی کودے دیتے ہیں۔خصوصاًاپنے رشتہ داروں کودے دیتے ہیں جبکہ وہ زکوۃ کے مستحق نہیں ہوتے مگرزکوۃ دہندہ

سے کم مال رکھتے ہیں' اگر ایسا ہو گیا بعد میں معلوم ہوا کہ زکوۃ لینے والا زکوۃ کے مستحق ہونے کے معیار پہ پورا نہیں اترتا تو زکوۃ کا اعادہ ضروری ہے زکوۃ ادا نہیں ہوئی' یہ اس لئے کہ مسئلہ کا علم نہ ہونا دارالاسلام میں عذر نہیں ہوتا لہذا عدم علم معاف نہیں ہے۔

ثانیا: بیسیوں کی تعداد میں لوگ سائلین کی طرح مساجد کے دروازوں پر لائینوں میں موجود ہوتے ہیں یا خانقاہوں اور اداروں میں موجود ہوتے ہیں لوگ انہیں زکوۃ کا مستحق سمجھ کر فرداً فرداً زکوۃ دے دیتے ہیں یا ان کے متولی کو دے دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں زکوۃ ادا ہو جائے گی اگر چہ لینے والا آدمی غیر مستحق ہو کیونکہ مستحقین کی جگہ یا مستحقین کی صفوں میں بیٹھنا تحری کے قائم مقام ہے اور تحری کے بعد اگر چہ خطا ہو جائے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ ہمارے کرم فرما ریٹائرڈ ڈی آئی جی نچل سانگھڑی صاحب نے یہی مسئلہ دریافت کیا تھا کہ خانقاہوں اور مساجد کے دروازوں پر سینکڑوں لوگ سائلین ہو کر جمع ہو جاتے ہیں' مستحق اور غیر مستحق کا کیسے پتہ چلے گا۔ میں نے عرض کیا زکوۃ ادا ہو جاتی ہے کیونکہ فقراء کا لباس یا سوالی ہونے کی ہیئت بھی تحری کے قائم مقام ہے مگر مناسب ہے زکوۃ دینے والا شخص زکوۃ دیتے وقت یہ بتادے کہ یہ رقم زکوۃ کی ہے تاکہ غیر مستحق زکوۃ نہ لے' یہ بتانا جائز ہے ریاکاری نہیں ہے۔

اگر کسی آدمی نے غور وفکر (تحری) کے بغیر کسی کو زکوۃ دے دی یا اسے صرف شک ہوا کہ فلاں آدمی زکوۃ کا مستحق ہے یا غور وفکر سے اسے غلبہ ظن ہوا کہ فلاں آدمی مستحق نہیں ہے اور زکوۃ دے دی اور بعد میں معلوم ہوا وہ مستحق نہیں تھا' زکوۃ ادا نہیں ہوگی' دوبارہ دینا ہوگی اور اگر معلوم ہوا وہ مستحق تھا تو زکوۃ ادا ہوگئی۔ (ص:۳۰۳)

ایک فقیر کو زکوۃ کے نصاب کے مساوی یا زیادہ زکوۃ دینا مکروہ ہے مگر یہ کہ وہ فقیر مقروض ہو یا صاحب عیال ہو اگر اس کے سب افراد پر تقسیم ہو تو کسی کے حصہ میں نصاب کے مساوی نہ ہو۔ (درمختار ص:۳۰۳) مگر کسی ایک فقیر کو ایک وقت میں نصاب یا نصاب سے زائد زکوۃ دے دی جائے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

اگر کوئی زکوۃ کا مستحق آدمی اپنی بچی کی شادی کرنا چاہتا ہے' اسے نصاب سے زیادہ دینا جائز ہے کیونکہ چاندی کا نصاب تقریبا پینتالیس ہزار روپے بنتا ہے جس سے مستحق کی بیٹی کی شادی کے لئے کچھ بھی نہیں بنتا اس لئے نصاب یا نصاب سے زائد بیک وقت زکوۃ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے زکوۃ ادا

ہو جائے گی۔

اگر کسی شخص نے زکوۃ کے مستحق فقیر کو نصاب کے برابر یا زائد زکوۃ دے دی اور وہ اس کے پاس جمع ہے خرچ نہیں ہوئی دوسرا آدمی اس فقیر کو زکوۃ نہیں دے سکتا کیونکہ اب وہ فقیر نہیں رہا۔(ردالمحتار)

اپنے شہر سے دوسرے شہروں کے فقراء کو ترجیح جائز ہے:

زکوۃ دینے میں پہلے اپنے شہر میں فقراء کو ترجیح دی جائے' دوسرے شہر والوں کو بھیجنا مکروہ ہے مگر یہ کہ دوسرے شہر کے فقراء رشتہ دار ہوں یا دوسرے شہروں کے فقراء زیادہ محتاج ہوں یا دوسرے شہروں کے لوگ صاحب تقوی اور صلاح ہوں یا زکوۃ دینے والا دارالحرب میں ہو اور فقراء دارالاسلام میں ہوں یا دوسرے شہروں میں طالب علم ہوں اور زکوۃ دینے والے کے شہر میں طالب علم نہ ہوں یا زکوۃ سال سے پہلے دینا ہو ان سب صورتوں میں دوسرے شہروں کے مستحقین کو زکوۃ بھیجنا جائز بلکہ اولی ہے۔فتاوی معراج میں ہے:

"التصدق علی العالم الفقیر افضل" **یعنی عالم فقیر پر صدقہ کرنا افضل ہے**۔(درمختار۔ص:۳/۳۰۴)

حدیث شریف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جناب سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا:

"یاامة محمد والذی بعثنی بالحق لایقبل الله صدقة من رجل له قرابة محتاجون الی صلته ویصرفها الی غیرهم والذی نفسی بیده لاینظر الله الیه یوم القیامة." (بحوالہ طبرانی۔ص:۳/۳۰۴)

ترجمہ: اے امت محمد ﷺ مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا نہیں قبول کرے گا اللہ تعالی اس آدمی کا صدقہ جس کے رشتہ دار اس کے احسان کے محتاج اور فقیر ہوں اور وہ ان کے غیر پر صدقہ صرف کرے اور مجھے قسم اس ذات کی جس کی قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالی قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔

محتاج رشتہ داروں میں آدمی کے لئے زکوۃ دینے میں افضل بھائی اور بہنیں ہیں پھر ان کی اولادیں پھر آدمی کے چچے اور پھوپھیاں پھر ماموں اور خالائیں پھر ذوی الارحام پھر پڑوسی پھر گلی میں شریک پھر شہر کے فقراء یہ ترتیب اس وقت ہے جب کسی دوسرے میں وجہ ترجیح نہ پائی

جائے۔(ردالمحتار۔ص:۳/۳۰۴)

اہل بدعت کوزکوۃ دینے کاحکم:

اہل بدعت بدعقیدہ کرامیہ اورمشبہ معتزلہ اوررافضیہ اوروہابیہ کوزکوۃ دیناجائزنہیں ہے۔علامہ شامی فرماتے ہیں:"فالمرادھنابالبدع المکفرات تامل" (ص:۳/۳۰۴)ترجمہ:پس بدعتوں سے مرادوہ اقوال اورافعال ہیں جومکفرات (کافربنانے والے)ہوں اوران کامرتکب کافرہوجاتاہو۔لہذا ان فرقوں کے افرادکوزکوۃ دیناجائزنہیں جن کےعقیدے کفرکی حدتک پہنچے ہوئے ہوں۔فرقہ کرامیہ کے لوگ جوابوعبداللہ محمدبن کرام کی طرف منسوب ہے صراحۃ کے ساتھ کہتے ہیں ہمارامعبودعرش پرمستقراورمستوی ہوکربیٹھاہے اوراللہ تعالی کو۔جوہر۔اعتقادکرتے (سمجھتے)ہیں اورمشبہ ایک فرقہ ہے جواللہ تعالی کے ساتھ صفات حادثہ کے قائم ہونے کوجائزسمجھتے ہیں۔ان کوزکوۃ دیناجائزنہیں ہے اگرچہ یہ فرقے مسلمان کہلاتے ہیں۔

یہی حال غالی رافضیوں اورغالی خارجیوں کے لئے ہےان کوبھی زکوۃ دیناجائزنہیں ہے آغاخانی شیعہ اورقادیانی اوربوہری شیعہ اورپرویزی اورگستاخ رسولﷺاورگستاخ صحابہ کرامؓ وازواج مطہراتؓ کوزکوۃ دیناجائزنہیں ہے۔(فتاوی رضویہ)

زانی کااپنی اولادکوزکوۃ دینے کاحکم:

زانی کاصریح زناسے پیداشدہ اپنے بچوں کوزکوۃ دیناجائزنہیں ہےمگرشبہ زناسے پیداشدہ اولادکوزکوۃ دیناجائزہے۔مثلاکسی عورت کوخبردی گئی کہ اس کاشوہرفوت ہوگیاہے۔اس نے عدت کے بعددوسری جگہ نکاح کرلیااوردوسرے شوہرسے اولادپیداہوگئی حالانکہ پہلاشوہرفوت نہیں ہواتھا۔امام ابوحنیفہ کاقول جس کی طرف آپ نے رجوع فرمایا۔دوسرے شوہرسے اولادپہلے شوہرکی ہوگی اورپہلے شوہرکانکاح قائم ہےمگرپہلاشوہراس اولادکوزکوۃ دےسکتاہےاوریہ اولادپہلے شوہرکےحق میں گواہی بھی دےسکتی ہےکیونکہ شبہ حلت کی وجہ سے خالص اولادنہیں ہوگی۔(ردالمحتار۔ص:۳/۳۰۵)

سوال کرنے کے احکام:

اگرکسی آدمی کے پاس ایک دن صبح اورشام کھانے کے لئے طعام یامال موجودہےجس سے طعام

حاصل کر سکے اس کو اسی دن کے لیے کھانے کی اشیاء کا سوال کرنا جائز نہیں ہے اور اس کی اعانت حرام ہے مگر اگلے دنوں کے لئے حتی کہ اسباب معیشت کا ناقد سال بھر کے لئے بھی سوال کر سکتا ہے کیونکہ سال بھر کا طعام حاجت اصلیہ میں داخل ہے لہذا اسے سال بھر کی ذاتی حاجات کے لئے سوال کرنا جائز ہے۔ (ردالمحتار) اسی طرح اگر کوئی شخص صحت مند ہے، مزدوری کر سکتا ہے اور مزدوری کا کام بھی مل سکتا ہے، جب مزدوری کرنے کے مال سے ایک دن کا طعام حاصل ہو سکتا ہے اس کے لئے بھی طعام کے لئے سوال کرنا حلال نہیں ہے۔ مگر اسے کپڑے یا دوسرے ضروری سامان کے لئے جن کا وہ محتاج ہے، سوال کرنا جائز ہے۔

معذور آدمی جو کام نہیں کر سکتا اور بیوہ عورت یا یتیم فقیر حسب حاجت جو چیز ضرورت ہو اس کا سوال کر سکتے ہیں اور جس آدمی کے پاس رہنے کا ذاتی مکان نہیں۔ وہ مکان کے کرائے کے لئے سوال کر سکتا ہے لیکن ذاتی مکان کے لیے سوال نہیں کر سکتا۔ ردالمحتار میں ہے:

(قوله للكسوة) "ومثلها اجرة المسكن و مرمت البيت الضرورية ،لامايشترى بيتافيمايظهر" (ص:۳/۳۰۶)

یعنی (ماتن کا قول للکسوۃ) کپڑوں کی مثل گھر کی اجرت اور گھر کی مرمت ضروریہ کے لیے سوال جائز ہے نہ یہ کہ گھر خریدا جائے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

حقیقی سائل مسجد میں سوال کر سکتا ہے:

مقصد یہ ہے کہ سوال کرنے والا آدمی اگر حقیقی سائل ہو، جس چیز کا سوال کر رہا ہے وہ اس کی ضرورت ہو اور اس کے پاس وہ چیز موجود نہ ہو تو اسے سوال کرنا جائز ہے اور حسب سوال اس کو دینا بھی جائز ہے اور باعث ثواب ہے۔ اسی طرح صاحب حاجت حقیقی مسجد میں بھی سوال کر سکتا ہے اور اگر سائل حقیقی سائل نہیں، اسے سوال کرنا حرام ہے اور اس کی اعانت کرنا بھی حرام ہے اور وہ مسجد میں سوال نہیں کر سکتا۔ یہ شرائط اس وقت ہیں جب کوئی آدمی اپنی ذات کے لئے سوال کرے۔ مسجد یا مدرسہ کے لیے مسجد میں چندہ کرنا جائز ہے۔ اگر امام یا خطیب یا کسی ادارے کا متولی یا کسی فقیر کا خیر خواہ مدرسہ کے لئے یا مسجد کے لئے یا فقراء کے لئے سوال کرے، یہ سوال جائز ہے حتی کہ مسجد میں بھی جائز ہے جیسا کہ سرور دو عالم ﷺ اپنی مسجد میں غزوات کے لئے لوگوں کو مالی تعاون کا حکم فرماتے تھے اور لوگ تعاون

☆عليك بالجود من صدر الجواد منشرح وباله واسع والبخيل ضيق الصدر مظلم القلب مكدر الخاطر.☆

کرتے تھے۔

مجاہداور طالب علم جو جہاد یا طلب علم میں مشغول ہوان کو ہر جگہ مسجداور غیر مسجد میں سوال کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ سوال حسب حاجت اور بقدر ضرورت کرے۔(درمختار۳/۳۰۶)

جس شخص کا سوال کرنا جائز نہیں سوال کرنے کی بنیاد پر اس کی اعانۃ بھی جائز نہیں کیونکہ یہ تعاون علی الاثم ہے دینے والا الٹا گنہگار ہوگا۔

گداگروں کے تعاون کے جواز کا حیلہ:

آج کل گداگری ایک کاروبار بن چکا ہے معذور اور غیر معذور افراد مساجد کے ابواب پر ہر نماز کے ٹائم اور روڈوں کے چورھواں پر روزانہ سوال کرتے پھرتے ہیں یہ لوگ حقیقی حاجت مند نہیں ہوتے **گداگری ان کا پیشہ ہے یہ ''امـا السـائـل فلاتنهر ''(لیکن سائل کو نہ جھڑکو) کے حکم میں داخل نہیں ہیں'ان کا سوال کرنا ناجائز ہوتا ہے اوران کا تعاون کرنا بھی جائز نہیں ہوتا** مگر یہ کہ ان کو ہدیہ یا صدقہ دینے کی نیت کرلی جائے تو جائز ہوسکتا ہے یعنی سوال کی بنیاد پر انہیں نہ دیا جائے بغیر سوال دیا جائے۔مثلاً سوال کرنے والا سوال کرنے کے بعد مایوس ہوکر دوسری طرف متوجہ ہو جائے اس کے بعد صدقہ کی نیت کرکے اس کی مالی مدد کردی جائے تو جائز ہو جائے گا اور یہ تعاون علی الاثم نہیں ہوگا۔(محمد رفیق حسنی)

(نوٹ : لیکن چونکہ اس سے ان کی گداگری پر حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور پھر یہ پیشہ کبھی ترک نہیں کرتے اس لئے انہیں کسی صورت بھی دینا مناسب نہیں تاکہ حوصلہ شکنی ہو اور یہ بھیک مانگنا ترک کردیں مجلسِ ادارت)

عمرہ یا حج یا بچی کی رخصتی کے لیے سوال کرنا جائز ہے:

الغرض۔**سائل حقیقی اپنے لئے اگر چہ عمرۃ یا حج جیسی مہنگی عبادت کے لئے یا کسی دوسری حقیقی غرض کے لئے لاکھوں روپے کا سوال بھی کرے'اسے سوال کرنا جائز ہے مگر جو چیز اس کے پاس موجود ہے** اس کا سوال ناجائز ہے اور اگر سائل پروفیشنل ہو اور کاروبار کررہا ہو تو اس کو سوال کرنا جائز نہیں۔حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ایک شخص روٹی کا سوال کررہا تھا حضرت عمرؓ نے کسی آدمی کو فرمایا اس کو کھانا کھلا دو اس نے کھانا کھلا دیا پھر وہی آدمی روٹی کا سوال کرتے ہوئے پکڑا گیا حضرت عمرؓ کو علم

ہوا تو انہوں نے اسے چیک کیا' اس کی تھیلی میں کافی روٹیاں موجود تھیں۔آپ نے اس کو تعزیر لگائی اور فرمایا تو سائل نہیں ہے تو کاروباری ہے' اسے سوال کرنے سے منع کر دیا۔لہذا ''**اما السائل فلاتنھر**'' سے مراد حقیقی سائل ہے۔

مستحب ہے کہ آدمی فقیر کو اتنا مال دے کہ کم از کم ایک دن کے لئے اس کی ہر حاجت کے لئے کافی ہو اور اس دن اسے سوال نہ کرنا پڑے۔علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

''**والاوجه ان ینظر الی مایقتضیه الحال فی کل فقیر من عیال وحاجةاخری کدھن وثوب وکراء منزل وغیر ذالک کمافی الفتح وتمامه فیھافافھم**''۔(ص:۳/۳۰۶)

قوی تر قول یہ ہے کہ دینے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ ہر فقیر کے حال پر غور کرے کہ فقیر کا حال کیا تقاضہ کرتا ہے عیال اور دوسری حاجت میں مثلاً تیل کپڑا اور منزل کا کرایہ وغیرہ جیسا کہ فتح القدیر میں ہے ۔

موجودہ دور میں مساجد اور خانقاہوں اور روڈوں پر سوال کرنے والوں میں حقیقی سائل اور غیر حقیقی کا علم مشکل ہو گیا ہے البتہ اپنے محلہ یا جان پہچان کے لوگوں سے صحیح معلومات ہو سکتی ہیں جب صحیح معلومات ہو جائیں جسے زکوۃ یا عطیہ دینا ہے اس حاجت مند کی حسب زمانہ ضرورتوں اور تقاضوں کو دیکھ کر دینا مستحب ہے بشرطیکہ اس کے تقاضوں کو پورا کرنے یا کم کرنے کی استطاعت ہو۔

عموماً روڈوں اور خانقاہوں اور مساجد کے دروازوں پر موجود لوگ پیشہ ور گداگر اور کاروباری بھکاری لوگ ہوتے ہیں سب لوگوں سے مانگتے ہیں ہر چیز مانگتے ہیں اور ہر وقت مانگتے ہیں بہتر تو یہ ہے کہ انہیں نہ دیا جائے ان کو دینا ان کی بری عادت کا باعث ہوگا۔

بہتر یہ ہے کہ جس شہر میں زکوۃ کا مال ہو اسی شہر کے فقراء کو زکوۃ دی جائے لیکن دینے والے کا شہر معتبر نہیں ہے مال کا شہر معتبر ہے اور فقراء کے لئے وصیت میں وصیت کرنے والے کے شہر کے فقراء کو دینا بہتر ہے' مال کا شہر بہتر نہیں ہے۔اسی طرح صدقہ فطر میں فطرہ دینے والے کے شہر کے فقراء کو دینا بہتر ہے۔(ردالمحتار)..........................(جاری ہے)